آج کا چیلنج ، کل کے مسائل

خرم مراد

امت مسلمہ کو، بلکہ ہر مسلمان ملک کو، آج ایک انتہائی سنگین چیلنج درپیش ہے۔ مسلمان اس چیلنج سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں، اسی پر اس بات کا انحصار ہے کہ اس کا مقدر عزت و سربلندی ہو گا یا ذلت و غلامی، وہ اپنی تہذیب کی نقشہ گری اپنے ایمان و اقدار اور تصورات کے مطابق کریں گے یا انھیں خود کو نقش فرنگ میں رنگنا ہو گا، وہ اپنے انتہائی قیمتی وسائل و ذرائع سے خود ترقی کی منازل طے کریں گے یا ان کا دسترخوان دنیا کی بھوکی قوموں کی لوٹ کھسوٹ کے لیے ایک تر نوالہ بنا رہے گا۔

یہ چیلنج اندرونی بھی ہے اور بیرونی بھی، لیکن دونوں دراصل ایک ہی چیلنج کے دو پہلو ہیں، دونوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں کیا جا سکتا، اور ایک کا مقابلہ دوسرے کو نظرانداز کر کے کرنا ممکن نہیں۔ ایک طرف دنیا کی غالب مغربی طاقتیں اور ان کی حلقہ بگوش قومیں ہیں۔ ان طاقتوں نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنے لیے مستقبل کا سب سے بڑا خطرہ قرار دے لیا ہے، اور ان کو مغلوب رکھنے اور اپنے رنگ میں رنگنے کو اپنا اولین ہدف بنا کر کام کر رہی ہیں۔ یہ طاقتیں ہر قسم کی سیاسی، عسکری، تیکنیکی، معاشی اور ابلاغی قوتوں سے لیس ہیں، مسلمانوں کی قوتوں کا ان کی قوتوں سے کوئی تناسب ہی نہیں۔ ان قوتوں کے بل پر مغربی طاقتوں نے مسلمان ممالک کو ایک ایسے عالمی شکنجے میں کس لیا ہے، خصوصاً خلیجی جنگ (۱۹۹۱) کے بعد، کہ کسی ملک کی مجال نہیں کہ ان کی مرضی، ان کے عزائم اور ان کے مفادات کے خلاف ذرا سی بھی جنبش کر سکے۔

پہلے وہ صرف فضا میں اڑنے والے ہوائی جہازوں کی مدد سے سن گن لے سکتی تھیں، ان کا کوئی فوجی اڈا نہ تھا، ان کی فوجوں کے موقعہ واردات پر پہنچنے کے لیے مہینوں کی مدت درکار تھی۔ اب مشرق وسطیٰ کی زمین پر ہر کونے میں ان کا ایک فوجی اڈا موجود ہے، اور پلک جھپکنے میں ان کی فوجیں جہاں

کاروائی ضروری ہو' وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ سیاسی طور پر' تقریباً ہر مسلمان ملک عدم استحکام کا شکار ہے جس کی آگ سلگائے رکھنے میں مغربی طاقتوں کا بڑا حصہ ہے۔ عدم استحکام کے اس آتش فشاں پر زمام کار سنبھالے ان کا کوئی نہ کوئی مہرہ بیٹھا ہوا ہے' کچھ اس آتش فشاں کے پھٹ پڑنے کے ڈر سے اور کچھ اپنی طبیعت اور مزاج کی رغبت کی بنا پر یہ مہرے ان طاقتوں کا ہر حکم بجالانے کے لیے دست بستہ تیار ہیں۔ معاشی طور پر ورلڈ بنک' آئی ایم ایف' ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن' گیٹ (GATT)' اقتصادی بائی کاٹ وغیرہ جیسے ہتھیاروں سے' انھوں نے ہر ملک کو اپنا محکوم بنا رکھا ہے' ان اداروں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ریاستی خود مختاری کو ایک حرف بے معنی بنا دیا ہے۔ ابلاغی قوتوں کے ذریعے وہ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر سکتے ہیں۔ اپنی ان قوتوں کو' مغربی طاقتیں صرف اپنے سیاسی و معاشی مفادات آگے بڑھانے ہی کے لیے استعمال نہیں کر رہی ہیں' بلکہ تہذیبی و ثقافتی غلبے کے لیے بھی کھلم کھلا استعمال کر رہی ہیں' ناپسندیدہ حکومتوں کا تختہ الٹنے کے لیے "خفیہ" کاروائیوں سے بھی انھیں کوئی عار نہیں (خواہ وہ بالکل آشکار ہوں) اور "دہشت گرد" قرار دے کر بین الاقوامی اچھوت بنانے کی تلوار بھی وہ ہر وقت لہراتی رہتی ہیں۔

عراق کا بائی کاٹ' ایران کا اقتصادی بائی کاٹ اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے بجٹ' سوڈان کا بائی کاٹ اور اس کو الٹی میٹم' چیچنیا میں قتل عام پر مکمل سکوت' بوسنیا میں نسل کشی' عصمت دری اور تباہی و بربادی کی کھلم کھلا پشت پناہی' اور پھر ایک ایسے معاہدہ کو مسلط کرنا جس میں قاتل و خونی سر آنکھوں پر بٹھائے جا رہے ہیں' فلسطین میں خود فلسطینیوں کے ذریعے جدوجہد آزادی کا استیصال' قاہرہ' اور بیجنگ کانفرنس' پاکستان پر توہین رسالت جیسے قوانین کے انسداد کے لیے دباؤ' سلمان رشدی کے خلاف فتویٰ کو ختم کرنے کے لیے ایران پر ساری سیاسی و تجارتی قوت کا دباؤ یہ صرف چند نمونے ہیں مسلمانوں کے خلاف مغربی طاقتوں کی یلغار کے۔

دوسری طرف مسلمان ہیں۔ تین سو سال کی غلامی سے تن ہمہ داغ داغ اور سارا جسم زار و نزار ہے۔ خود وہ حکمراں جو مغربی طاقتوں کی شطرنج کے پیادوں کا کام کر رہے ہیں' اسی غلامی کا ورثہ ہیں۔ سیاسی عدم استحکام اور معاشی بدحالی بھی انھی کا ترکہ ہے۔ مغرب کا تعلیمی اور ثقافتی غلبہ بھی اسی دور کی یادگار ہے' اور تعلیمی و علمی پس ماندگی بھی انھی کے منصوبوں کا نتیجہ۔ قومیت کے تیزاب سے جسد ملی کا تار تار ہو جانا بھی' حکمت مغرب کا کارنامہ ہے۔ چنانچہ آج مسلمان ہر جگہ افتراق' انتشار' محاذ آرائی اور باہم خون ریزی کا شکار ہیں۔ ایک طرف حکمراں اور عوام' دوسری طرف قوموں کے دیگر طبقات باہم دست بگریباں ہیں۔ اندرونی محاذ آرائی میں بہترین انسانی وسائل ضائع ہو رہے ہیں' اور مادی وسائل رائیگاں جا رہے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے مسائل کی ساری ذمہ داری اغیار کے سر ڈال دینا صحیح

نہیں۔ اگر تین سو سال پہلے مغربی اقوام نے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کی تقریباً ساری مسلمان حکومتوں کو سرنگوں کر لیا، تو اس کی اصل وجہ مسلمانوں کی اپنی کمزوریاں تھیں۔ اور اگر آج مغربی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو رہی ہیں تو اس کی بھی اصل وجہ مسلمانوں کی اپنی کمزوریاں ہیں۔ وہ بے مقصد و بے سمت ہیں، کیونکہ بے مقصد و بے سمت ہیں، اس لیے متفرق و منتشر ہیں۔ اور کیونکہ کوئی سمت نہیں اور متحد نہیں، اس لیے جوش و ہوش اور حکمت و ولولے کے ساتھ سرفروشانہ جدوجہد اور قوت عمل سے تہی دامن ہیں۔

آج کے اس سنگین چیلنج کا جواب دینے میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے سامنے ہمارا لائحہ عمل واضح ہو۔ اس مقصد کے لیے گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے اور غور و فکر کے لیے ایک مناسب ایجنڈا بنانا بھی ضروری ہے۔ ہم ان شاء اللہ موقع بہ موقع اس ایجنڈے کے مختلف نکات واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن پہلے قدم کے طور پر ہم آج ان نکات کا تعین کرنا چاہتے ہیں جن پر غور و فکر یہ ایجنڈا اور لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔

۱۔ اسلام اور مغرب کے درمیان آویزش و کشمکش کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی جزیرہ عرب میں ظہور کے بعد اسلام کی تاریخ۔ مغرب سے ہماری مراد مغرب کی عیسائی سیکولر تہذیب ہے، جو ماضی میں بظاہر بالکل عیسائی اور ایک چرچ کے ماتحت ہونے کے باوجود ایک سیکولر تہذیب تھی، اور آج بظاہر بالکل سیکولر ہو جانے کے باوجود اندر سے ایک عیسائی تہذیب ہے۔ مغرب سے ہماری مراد وہ مغربی حکومتیں اور طاقتیں بھی ہیں جو کسی نہ کسی طور مسلمانوں سے آویزش و پیکار میں مشغول رہیں، خواہ بحیرہ روم کے ساحلوں پر، یا خود یورپ کی سرزمین پر، اسپین (وسط فرانس تک) سسلی اور مشرقی یورپ (وسط جرمنی تک) میں۔

آج اہل مغرب کے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کی جو تصویر ہے، ان کے خلاف دشمنی اور تعصب و مزاحمت کی ان کی جو نفسیات ہے اور ان کے پروپیگنڈے کے جو نکات اور اسلوب ہیں، ان سب کی جڑیں اسی تاریخ میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ "کل" اور "آج" میں کوئی بڑا فرق نہیں واقع ہوا ہے، تو غلط نہ ہو گا۔ رسالت محمدیؐ کا معاملہ ہو، تشدد اور جنگ جوئی کا الزام ہو، عورتوں کے مقام کا مسئلہ ہو یہ سب اسی تاریخ کا ورثہ ہیں۔

اس تاریخ کا، اور تاریخ کے اس دور میں مغرب نے اسلام کی جو تصویر بنائی، اور اس کے خلاف اس کی نفسیات کی جو تشکیل ہوئی، ان سب کا مطالعہ اور تعین سب سے پہلا کام ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی اس صورت حال کے اسباب کا کھوج لگانا بھی ضروری ہے۔ ان اسباب میں جہاں حق ہو، وہاں اپنی

غلطیوں کے اعتراف میں بھی کوئی تامل نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ خود احتسابی اور استغفار کو امت مسلمہ کا سب سے نمایاں شعار بنایا گیا ہے۔

۲۔ اس تاریخ کا ایک ہزار سال تک کا وہ دور تھا جب اسلام مغرب کے لیے خطرہ بنا رہا۔ اس کے بعد تاریخ کا ورق پلٹا' اور مغرب نے بالا تری حاصل کی۔ دو سو سال میں وہ اس مقام پر پہنچ گیا کہ ۱۹۲۰ میں' ترکی' سعودی عرب' یمن اور افغانستان کے چار چھوٹے چھوٹے بظاہر آزاد ممالک کے علاوہ کوئی مسلمان ملک مغرب کے تسلط سے آزاد نہ تھا۔ اس صورت حال کے تین پہلو ہمارے غور و فکر کے محتاج ہیں۔

ایک یہ کہ مغرب کے تسلط کے اس دور میں مسلمانوں نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ جو کچھ کھویا' اس پر بہت کچھ بولا اور لکھا گیا ہے لیکن یہ پہلو اب بھی مزید تحقیق و تنقیح چاہتا ہے تاکہ جذبات سے بالا ہو کر واضح طور پر متعین ہو سکے کہ جسد ملی کو کس کس پہلو سے کیا زخم لگے۔ نفسیات اور سوچ میں کس طرح بگاڑ پیدا کیا گیا' اپنے علوم اور تعلیم سے رشتہ کاٹا گیا' بے معنی و بے مقصد اور لاحاصل تعلیم سے لگایا گیا' اداروں کو تباہ کیا گیا' نئے ادارے جو اقدار و ثقافت سے مغائر تھے' قائم کیے گئے' ذہن و فکر کو مغرب کا غلام بنایا گیا' اسلام کے بارے میں ریب و تشکیک اور احساس کمتری کو فروغ دیا گیا۔ یہ بھی تعین کرنا ضروری ہے کہ جو کچھ نقصان پہنچایا گیا' وہ کن طریقوں سے پہنچایا گیا۔

کوئی تہذیبی تبادلہ یک طرفہ نہیں ہوتا' اور اس سے انکار ممکن نہیں کہ مغرب کے تسلط کے اس زمانے میں مسلمانوں نے کچھ پایا بھی ہے۔ تصادم اور دشمنی کی فضا میں اس پہلو سے سوچنا بھی مشکل ہے' کجا کہ اس کا اظہار۔ لیکن اس کا بھی تعین ضروری ہے۔

دوسرے' مغرب کے اس غلبے کے اسباب کیا تھے؟ مغرب کی کیا خوبیاں تھیں' اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی کیا کمزوریاں تھیں' جن کے نتیجے میں مغرب کو یہ تسلط حاصل ہوا؟ اس نے جو کاری زخم لگائے اور جو نقصان پہنچایا' اس میں وہ کیوں کامیاب ہوا؟ تیسرے' مسلمانوں نے مغرب کے تہذیبی' فکری اور سیاسی غلبے کو روکنے کے لیے کیا حکمت عملیاں اختیار کیں' کیا تدابیر اختیار کیں' ان میں کیا خوبیاں تھیں اور کیا خامیاں۔ ان میں کہاں تک کامیابیاں ہوئیں' اور کیا ناکامیاں ہوئیں' اور ان کے اسباب کیا تھے۔

آج مغرب کی اس وقت سے کہیں زیادہ بھرپور یلغار اور اس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کی موزوں حکمت عملی ترتیب دیتے ہوئے' ان تمام پہلوؤں کے بارے میں علم کی ضرورت ہے۔

۳۔ مغرب سے آویزش کی جو صورت حال اس وقت بن گئی ہے' اس میں مختلف راستے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ ہر راستے میں بظاہر فی الوقت کامیابی کے امکانات بہت زیادہ نہیں۔ کسی راستے میں

بھی کامیابی ' اندرونی کمزوریوں کے چیلنج کا جواب تیار کیے بغیر ممکن نہ ہوگی ۔ پھر بھی ہر راستے پر مناسب غور کرنا ضروری ہے ۔ ممکن ہے بعض راستے اس وقت اختیار کرنا ممکن نہ ہوں ' لیکن وقت فضا کو ان کے لیے سازگار بنا دے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سے زیادہ راستے بیک وقت اختیار کیے جا سکیں ۔

ایک یہ کہ عسکری مقابلہ ہو اور اس میں کامیابی حاصل ہو ۔ اس کا اس وقت کیا امکان ہے ؟ ظاہر ہے کہ کچھ بھی نہیں ۔ ایک وقت ایسا آ سکتا ہے کہ یہ ممکن ہو ' لیکن اس کے لیے ایک طویل مدت اور دیگر بے شمار پہلوؤں سے پیش رفت ناگزیر ہے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فی الحال مغرب کی قوت اور اثر کو کم کرنے کے لیے چھوٹی موٹی عسکری کاروائیاں کی جائیں ۔ لیکن کسی مجموعی اور وسیع تر حکمت عملی سے الگ ہو کر ' اس کا بھی کارگر ہونا ممکن نظر نہیں آتا ۔ فلسطین ' بوسنیا ' چیچنیا ' الجیریا ' شام کی نظائر یہی بتاتے ہیں ۔

دوسرے یہ کہ بقائے باہمی ہو اور مسلمان ' بغیر کوئی تصادم مول لیے ' اپنے اپنے ممالک میں اسلام کے مطابق اپنے معاشرے کی تشکیل کا کام کریں ۔ جس حد تک یہ ممکن ہو ' ضرور کرنا چاہیے لیکن اولاً تو مغرب اس طرح کے بقائے باہمی کے لیے تیار نہیں ۔ سوڈان کی نظیر ہمارے سامنے ہے ۔ دوسرے بیش تر مقامات پر اس کے جو مہرے عنان حکومت سنبھالے بیٹھے ہیں ' ان کی موجودگی میں اس راہ پر چلنا ممکن نہیں ۔ خصوصاً گذشتہ ۵ سال میں جس طرح یکے بعد دیگرے خود مسلمان حکومتوں کو بنیاد پرستی اور انتہا پسندی کے خلاف کھڑا کر دیا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ۔

تیسرے ' خود اہل مغرب کے دلوں کو اسلام کے لیے مسخر کیا جائے ' اور خود مغرب میں سے جو قوت اسلام کے لیے حاصل ہو سکتی ہو اسے حاصل کر لیا جائے ۔

۴ ۔ مغرب سے آویزش میں ' خود اہل مغرب کو اسلام کا ہم نوا یا علم بردار بنانے کی حکمت عملی ' بہت سارے پہلوؤں سے مناسب تدابیر اور بنیادی تبدیلیوں کے بارے میں غور و فکر کی متقاضی ہوگی ۔ یہ جاننا ضروری ہوگا کہ آج کے تہذیبی مسائل / ایشوز (issues) کیا ہیں ' جن کے بارے میں انسان پریشان ہے اور حل کا متلاشی ۔ ان ایشوز کو ہمیں اسلام کی دعوت میں مناسب مقام دینا ہوگا ۔ مثلاً امن و امان ' خاندان ' عورت کا مقام ' انسانی حقوق ' فرد کا مقام ' ریاست کی ہمہ گیریت ' حکمرانوں اور سیاست دانوں سے مایوسی ' ماحولیات وغیرہ ۔

اسی طرح باہمی آویزش کے باوجود اس وقت تک مغرب کے مقابلے میں حریف مقابل کی پوزیشن اختیار کرنے سے اجتناب کی مناسب تدابیر اختیار کرنا ہوں گی ' جب تک مسلمان کوئی تصادم مول لے کر اس میں کامیابی کا امکان نہیں دیکھتے ۔ ایک طرف مغرب کی جارحانہ یلغار ' مغرب کے خلاف عام مسلمانوں کی نفرت ' اس یلغار کے خلاف اور مسلمانوں کی نفرت کو آواز دینے کے لیے آواز

اٹھانے کی ضرورت ' اور دوسری طرف حریف بننے سے اجتناب کی پالیسی۔ — ان دو متضاد چیزوں کے درمیان تطابق کیسے ہو ' یہ طے کرنا آسان نہیں۔

اسی طرح آویزش کے باوجود مشترک امور کی تلاش (تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ) نفرت اور اندھی دشمنی کو فروغ دینے سے اجتناب ' اور "ابوجہل" اور "عمرؓ" جیسے لوگوں کے اسلام کی ' اور ان کے ذریعہ اسلام کی تقویت کی تمنا اور تدبیر — یہ بھی ایک نازک راستہ ہو گا۔

اس ضمن میں مغرب میں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیوں کا موجود ہو جانا بھی مشیت الٰہی کی ایک ایسی تدبیر ہے جس کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ استنبول سے لاس اینجلز تک یہ لکھوکھا مسلمان اب امت مسلمہ کا سب سے اگلا محاذ (front line) ہیں ' وہ لائن جو اب بحیرہ روم سے آگے بڑھ کر عین مغرب کے قلب میں پہنچ گئی ہے۔ یہ مسلمان کیا کریں ' اور کیوں کر کریں ' یہ مسلمانوں کے ایجنڈے پر ایک اہم سوال ہونا چاہیے۔ یہ غور کرنا ضروری ہے کہ یہ مسلمان ' اپنی تمام خامیوں کے باوجود ' اہل مغرب کو اسلام کے لیے مسخر کرنے کی حکمت میں ایک کلیدی رول کس طرح ادا کر سکتے ہیں۔

۵۔ اسلام سے محبت ' اور اسلام کے نام پر پکارے جانے کے باوجود عامتہ المسلمین کی قابل لحاظ تعداد اسلام کے لیے کہیں بھی متحرک اور سرگرم نہیں ہوئی ہے۔ دوسری طرف امت کی قوت کا پہلا سرچشمہ ہی بحیثیت عمومی ' ایک مقصد ' ہدف ' اور مدعا سے وابستگی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان اور ان سے محبت ' اور غلبہ دین اور شوق شہادت کے علاوہ اور کون سا مدعا و مقصد مسلمان کو اٹھا سکتا ہے۔ پھر اس میں کامیابی کیوں نہیں ہو رہی اور ہو تو کیوں کر؟ اس مدعا و مقصد کو کن سادہ اور سیدھے الفاظ میں ' کس اسلوب سے رکھا جائے کہ عام مسلمان کے دل کے تاروں کو چھیڑ دے۔ عام مسلمانوں میں اللہ اور رسول سے محبت ' اللہ سے ملاقات کا شوق اور جذبہ شہادت و جہاد کس طرح پیدا کیا جائے؟ یہ بھی آج کے ایجنڈے کا ایک اہم مسئلہ ہے۔

۶۔ قوت کا دوسرا سرچشمہ افتراق سے نجات اور وحدت امت ہے۔ ظاہر ہے کہ وحدت کی بنیاد ایک مقصد سے ایسی وابستگی اور محبت ہے جو ہر دوسری وابستگی اور محبت سے بالاتر ہو۔ لیکن اس کے بعد بھی وحدت کو برقرار رکھنے اور مستحکم کرنے اور پارہ پارہ ہونے سے بچانے کے لیے دوسری تدابیر ضروری ہوں گی۔ اس ضمن میں حکمرانوں اور باشندوں کے درمیان ' قدیم و جدید کے درمیان ' مغربی اور غیر مغربی کے درمیان ' امیر و غریب کے درمیان ' اور مختلف نسل و رنگ کے درمیان ' کشمکش اور تصادم کے مسائل حل کرنے کے لیے بھی نئے سرے سے غور کرنا ہو گا۔ کہاں کہاں اور کس کس طرح اس محاذ آرائی کو کم یا ختم کیا جا سکتا ہے۔ مختلف الخیال اور مختلف المزاج اور نیک و بد سب کو ایک

شیرازے میں منسلک کرنے اور ایک مقصد کے لیے سرگرم کر دینے کا ہدف بھی آج کے رویوں اور تدابیر سے بہت مختلف رویوں اور تدابیر کا تقاضا کرے گا۔

۷۔ مغرب سے مقابلہ اسی وقت ممکن ہو گا کہ اسلامی تہذیب کی تشکیل نو کے بنیادی خطوط متعین کرنے میں کامیابی ہو۔ یہ مقصد بغیر ایک عظیم اجتہادی کاوش کے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اجتہاد کا مسئلہ بہت نازک مسئلہ ہے۔ ایک طرف سلف کی روایت اور اس پر امت کا عمل ہے ' دوسری طرف تغیر زمانہ و احوال سے تغیر احکام کے تقاضے ہیں۔ ایک طرف وہ مقام ہے جہاں سے مسلمانوں نے تہذیبی مسائل میں اجتہاد ترک کیا ' دوسری طرف آج کا مقام ہے جب انسانی علوم اور تمدنی اداروں کو مغرب بہت آگے لے گیا ہے۔ مغرب سے بہت کچھ ہم 'کسی مناسب بحث و تمحیص کے بغیر' اختیار کر چکے ہیں ' اور اسی طرح بہت کچھ کو کسی بحث و تمحیص کے بغیر رد کر چکے ہیں۔ بعض کے نزدیک مغرب کی ہر چیز کفر ہے ' بعض کے نزدیک عین حق۔ مغرب نے جو کچھ "ایجادات" کی ہیں ٹیکنولوجی کی نہیں ' تمدن کی ' ان میں سے کیا لینا ہے اور کیا چھوڑنا ہے۔ اجتہاد اور اجتہاد کا یہ پہلو بھی اس ایجنڈے کا ایک اہم نکتہ ہے۔

۸۔ آخری مسئلہ حکمت اور شجاعت ' استقلال اور تغیر' مزاحمت اور مفاہمت ' اور جوش و ہوش کے درمیان مناسب توازن کا مسئلہ ہے ' ایسا توازن جس سے امت اپنے اندر کے اور باہر سے مغرب کے چیلنج کا مقابلہ اس طرح کر سکے کہ وہ کامیابی کی طرف آگے بڑھتی رہے۔

ان تمام مسائل پر غور و فکر کر کے مناسب حل تلاش کرنے کا کام کسی ایک فرد یا چند افراد کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے بہت سے لوگوں کو تدبر کرنے اور سر جوڑ کر بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان مسائل سے بحث کیے بغیر ہم کسی طرح آج کے چیلنج کا مقابلہ کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کریں گے۔ اس لیے جو غور و فکر کی صلاحیت رکھتا ہو' اس کو اپنا حصہ ادا کرنے سے گریز نہ کرنا چاہیے۔